شجاع الدین فاروقی

ہندوستان کی

پہلی جنگِ آزادی

رستاخیز ۱۸۵۷ء کو انگریزوں اوران کے کاسہ لیسوں نے اس شدومد سے غدر، کہا کہ خود عام ہندوستانی بھی ایک زمانے تک اسے غدر ہی کہتے رہے۔ کبھی اسے فوجی بغاوت بھی قرار دیا گیا اور کبھی سپاہیوں کی جنگ بھی کہا گیا۔ اکثر اسے آقاؤں سے نمک حرامی اور غداری سے بھی موسوم کیا گیا۔ مگر درحقیقت یہ نہ بغاوت تھی اور نہ غدر بلکہ یہ مقدس جنگ ملک و قوم کو آزاد کرانے اور اپنے دین و مذہب کی حفاظت کرنے کے لیئے لڑی گئی تھی اسی لئے آج ہم اسے فخر سے ہندوستان کی پہلی باقاعدہ جنگ آزادی قرار دیتے ہیں۔

یہ صرف ہندوستانی نقطہ نظر ہی نہیں بلکہ انصاف پسند انگریزوں اور دوسری اقوام کے لوگوں نے بھی اسے ایک قومی جنگ دین اور دیش کی آزادی و تحفظ کی جنگ تسلیم کیا ہے۔ بقول ارنسٹ جونس " یہ عوامی جنگ ہے اور ہندوستان کی کسی بھی جنگ میں آج تک عوام کی اتنی کثیر تعداد نے حصہ نہیں لیا۔"[۱]

اس میں شک نہیں کہ تمام ہندوستانیوں نے من حیث القوم اس جنگ میں شرکت نہیں کی اور ملک کا اکثر حصہ نہ صرف خاموش تماشائی بنا رہا بلکہ دشمنان ملک و قوم کے ہاتھ مضبوط کرنے اور ملک و قوم کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑنے میں ممد و معاون ہوا۔ بہرحال یہ صرف فوجی بغاوت نہیں تھی بلکہ اس میں فوج کے دوش بدوش عوام و خواص، روساء و جاگیردار

اور نواب وراجہ بھی تھے۔ بقول غلام رسول مہر۔

"۱۸۵۷ء کی تحریک عام وہمہ گیر تھی صرف فوج تک محدود نہ تھی کہ اسے غدر قرار دیا جائے۔ بے شائبہ ریب اس میں وہ تمام خصوصیات موجود تھیں جو کسی تحریک کے عوامی اور قومی ثابت کرنے کے لئے ضروری سمجھی جاتی ہیں۔"[۲]

اس میں کوئی شک نہیں کہ جن لوگوں نے یہ مقدس جنگ لڑی انھوں نے انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں جی جان سے اور اپنا تن من دھن نثار کر کے غلامی کی زنجیروں کو کاٹنے کی بے انتہا کوشش کی اگرچہ ان کی کوششیں بظاہر ناکامی پر منتج ہوئیں اور ملک و قوم کو اس کی پاداش میں ناقابل بیان اور لرزہ خیز مظالم کا شکار ہونا پڑا اور غلامی کی مدت بھی مزید نوّے سال کے لیے بڑھ گئی مگر انھوں نے انگریزی راج کو خاکستر کرنے کیلئے جو شعلے بھڑکائے تھے ان کی چنگاریاں رہ رہ کر ابھرتی رہیں اور حبِّ وطن اور آزادیِ وطن کے جذبہ کو مہمیز کرتی رہیں یہاں تک کہ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو آزادی کی صبح طلوع ہوئی اور غلامی کا ہمیشہ ہمیشہ کیلئے خاتمہ ہوا۔

سوال یہ ہے کہ ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ چھاؤنی میں پھوٹنے والی بغاوت کیا منگل پانڈے جیسی ایک فوجی جوان کے وقتی جوش اور غم وغصّہ کا نتیجہ تھی یا اس کی تیاری وسیع اور قومی پیمانے پر کی گئی تھی۔ اس کا پس منظر اور اسباب و محرکات کیا تھے۔ ملک کے کن کن علاقوں کے لوگوں نے ان میں پرُجوش حصہ لیا؟ کیا کیا واقعات پیش آئے اور کن اسباب وعوامل کی وجہ سے یہ عظیم تحریک اور مقدس جنگ آخر کار ناکام ہوگئی۔ یہ سب تو تاریخ کی ایک ضخیم کتاب کا موضوع ہیں۔ کسی مقالے یا رسالے کی تنگ دامانی اسکی متحمل نہیں ہوسکتی پھر بھی مختصراً اس کا ایک سرسری جائزہ پیش خدمت ہے۔

پس منظر:- انگریز دیگر یوروپین اقوام کیطرح بغرض تجارت ہندوستان آئے تھے اس دور میں اورنگزیب کی وفات کے بعد عظیم مغلیہ سلطنت تیزی سے روبہ زوال ہو رہی تھی مرہٹے جاٹ۔ سکھ۔ روہیلے اور بندیلے ہر طرف بغاوت۔ خون ریزی اور افراتفری کا بازار گرم کیۓ ہوۓ تھے۔ تمام صوبے ایک ایک کر کے خود مختار ہوتے چلے جا رہے تھے جگہ جگہ خود مختار ریاستیں وجود میں آرہی تھیں جو باہم برسرپیکار تھیں۔ مختصر یہ کہ ہندوستان مکمل نراجیت کا شکار تھا ہر طرف

ظلم وستم لوٹ مار قتل وغارت گری اور بدامنی کا دور دورہ تھا۔ ان حالات سے انگریزوں نے فائدہ اٹھایا۔ انہوں نے اپنے تجارتی مفادات کی حفاظت کے نام پر قلعے بنائے اور فوجیں بھی جمع کیں۔ اس کے بعد وہ ہندوستان کی متحارب قوتوں میں سے کبھی ایک کا اور کبھی دوسری کا ساتھ دیکر ان کے اختلافات وتنازعات کو وسیع کرنے لگے۔ ایسے ہر موقع پر وہ اپنی سخت سے سخت شرائط ومطالبات بھی منوا لیتے تھے۔ رفتہ رفتہ وہ ایک بڑی قوت کی حیثیت اختیار کر گئے۔ انگریز اپنی شاطرانہ چالوں اور مکاری وحیلہ سازی میں ید طولیٰ رکھتے ہیں اس سہارے انہوں نے ہر ہندوستانی دربار میں اپنے ہم نواؤں اور جاسوسوں کی ایک جماعت پیدا کر لی جو ہر موقع پر ملک وقوم سے غداری کر کے محض اپنے معمولی مفادات کے لیے انگریزوں کا ساتھ دیتی تھی۔ ہندوستان کے سب سے دولت مند علاقے بنگال کو انہوں نے سب سے پہلے شکار بنایا۔ جنگ پلاسی ۲۲ جون ۱۷۵۷ء کے منحوس دن میر جعفر اور اس کی ٹولی کی مدد سے بنگال سب سے پہلے غلامی کی زنجیروں میں جکڑا گیا۔ اور نواب سراج الدولہ کو شہید کر کے میر جعفر اور اس کے بعد میر قاسم جیسے کٹھ پتلی نواب بنائے گئے۔

۱۷۶۴ء میں جنگ بکسر کے موقع پر میر قاسم نواب بنگال شجاع الدولہ نواب اودھ شاہ عالم شہنشاہ ہند کی متحدہ فوجوں کو انگریزوں نے شکست دیکر ہندوستان کی قسمت پر مہر ہی لگادی اغیار کی مکاریوں اپنوں کی ریشہ دوانیوں اور مغل شہنشاہ عالم کی نااہلی کو بہرحال رنگ لانا ہی تھا۔ معاہدہ الہ آباد ۱۷۶۵ء کی رو سے شاہ عالم انگریزوں کی پناہ میں چلے گئے اور انہوں نے تین کروڑ سالانہ آمدنی والے بنگال بہار اور اڑیسہ جیسے دولت مند علاقوں کو ۲۶ لاکھ روپیہ سالانہ کی حقیر رقم کے عوض کمپنی بہادر کے پاس رہن رکھ دیا۔ انگریزوں کی ہوس دولت بے مثال تھی ایک مختصر مدت میں انہوں نے بنگال کو کنگال بنا دیا۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق جنگ پلاسی کے بعد صرف پچاس سال مدت میں پندرہ ارب روپیہ انگلستان بھیجا گیا۔

۱۷۷۴ء میں ہسٹنگز نے نواب شجاع الدولہ والی اودھ کی مدد کر کے ہندوستان کی سب سے زیادہ جنگجو اور خطرناک قوت روہیلوں کا صفایا کیا اور چالیس لاکھ روپیہ حاصل کیا یہ ایسا صریح ظلم اور بے ایمانی تھی کہ انصاف پسند انگریز بھی اسکے خلاف آواز اٹھانے پر مجبور ہو گئے

مشہور انگریز مصنف مسٹر برک نے پارلیمنٹ میں دوران تقریر ہسٹنگز کے طرز عمل پر ملامت کرتے ہوئے کہا۔ "اُس بڑے نیلام کنندے ہسٹنگز نے لڑائی کیے بغیر کسی معقول وجہ کے .... شجاع الدولہ کے ہاتھ دوسرا نیلام تمام روہیلہ قوم کا کر ڈالا اور چالیس لاکھ روپیہ لیکر مخلوق خدا کو مکمل استیصال کے لیے بیچ ڈالا۔" ۳۔

لارڈ میکالے نے شجاع الدولہ کے مظالم کا ذکر کرنے کے بعد ہسٹنگز کے طرز عمل پر تنقید کرتے ہوئے اس طرح لکھا ہے۔ "اس نے بجز اپنے چالیس لاکھ روپیہ کے اور کسی بات سے واسطہ نہ رکھا...... اب اسکو اسکے سوا اور کیا کرنا باقی رہ گیا تھا کہ وہ اپنے ہاتھ سمیٹ کر گاؤں کے جلنے، بچوں کے ذبح ہونے اور عورتوں کی عصمت دری کے تماشے دیکھے" لارڈ میکالے ہسٹنگز کی ہوس زر پر ملامت کرتے ہوئے ایک اور موقع پر یوں رقم طراز ہے۔

"ہسٹنگز کی ڈپلومیسی کا مقصد اس وقت صرف روپیہ حاصل کرنا تھا، خواہ جائز طریقہ سے حاصل ہو یا ناجائز طریقہ سے۔"

The objeel of Mr Hastings diplomacy was at This time Simply to get money by some mean fair or foul

مسٹر جے کلارک کے الفاظ ہیں۔

"غالباً دنیا میں ایسی دوسری مثال ضبط تحریر میں نہیں آئی ہے جسمیں ایک مہذب گورنمنٹ ایک ایسی قوم کو تباہ کرنے کے لیے جنگ میں شریک ہوئی ہو جس سے خود اس کا کوئی نزاع نہ ہو" ۵۔

مسٹر ہاؤٹ کے بقول۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہسٹنگز کے دماغ میں انسانی ہمدردی کے جذبات کا مطلق وجود نہ تھا ایک ایسی تجویز کو جو ہر دوسرے انسان کو ناقابل بیان طور پر لرزہ براندام کر دیتی، اسکو اس نے ایک معمولی کاروباری معاملہ کے طور پر قبول کر لیا۔..... اس شرارت آمیز کاروائی میں ہر بات بدمعاشی کا پہلو لیے ہوئے تھی۔ اس لیے پہلے روہیلوں سے ان کا مال و متاع اور روپیہ پیسہ لے لیا

گیا اس کے بعد انہیں ہلاک کر ڈالا گیا۔" ۷ے

ڈبلو ایم ٹورینس کہتے ہیں۔

"روہیلوں سے لڑنے کے لیے ہمارے پاس چھوٹا سا بھی بہانا نہ تھا ان کے خلاف ہمارے پاس کوئی رنگ آمیزی پر مبنی شکایت بھی نہ تھی۔" ۸ے

We had not the slightest pretence of quarrel with the Rohillas. We had not even a colourable complaint against them.

بنارس کا راجا چیت سنگھ بھی اس کی ہوس دولت کا شکار ہوا یہاں تک کہ بیگمات اودھ کے زیورات و نقدی بھی چھین لی گئی اور ان کو بے عزت کیا گیا۔

دکن میں انگریزوں کا سب سے خطرناک دشمن شیر میسور ٹیپو سلطان تھا مراٹھوں اور نظام کی مدد سے اسے پہلے تو بے دست و پا کر دیا گیا اور پھر ۱۷۹۹ء میں میر صادق جیسے غدار کی مدد سے اس کا خاتمہ کر کے انگریزوں نے نعرہ لگایا "آج ہندوستان ہمارا ہے"۔

۱۸۰۱ء میں روہیل کھنڈ کا علاقہ انگریزوں کے قبضے میں آ گیا۔ ۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک کی سرکردگی میں انگریزی فوجیں دہلی آ گئیں اور مغل شہنشاہ انگریزوں کے قیدی اور وظیفہ خوار ہو کر دہلی کے لال قلعہ میں محصور ہو گئے۔ لارڈ ولزلی کے عہد معاونت نے دیسی ریاستوں کو کمپنی کی حکومت کا دست نگر بنا دیا اور لارڈ ڈلہوزی کی پالیسی نے ستارہ، جھانسی، ناگپور، سنبھل پور جیسی بہت سی دیسی ریاستوں کو کمپنی کی حکومت میں ضم کر کے انکا خاتمہ کر دیا۔ ۱۸۴۱ء میں سندھ کے امیروں کا خاتمہ کر کے اسے بھی انگریزی حکومت میں شامل کر لیا گیا۔ ۱۸۴۹ء میں پنجاب کی سکھ طاقت کو کچل کر اسے بھی کمپنی کی حکومت کا حصہ قرار دیدیا گیا اور کوہ نور و دیگر قیمتی اشیاء پر قبضہ کر کے انگلینڈ بھیج دیا گیا۔ خود راجہ رنجیت سنگھ کا پوتا دلیپ سنگھ کو انگلینڈ بھیج کر عیسائی بنا دیا گیا۔ ۱۸۵۶ء میں بدانتظامی کا الزام لگا کر اودھ کی حکومت کا بھی خاتمہ کر دیا گیا۔

سطور بالا میں پیش کردہ مختصر جائزے سے واضح ہو جاتا ہے کہ کس طرح صرف سو سال کی مدت میں ایک تجارتی کمپنی نے اتنے وسیع و عریض ملک کو غلامی کی زنجیروں

میں جکڑ دیا تھا۔ اس وقت کے امراء اور نوابین وراجہ تو سخت قسم کی بے حسی کا شکار اور اپنے محدود مفادات کے دلدادہ تھے مگر عوام اور فوج اس تماشے کو بڑی نفرت کی نگاہ سے دیکھ رہی تھی وہ غیر ملکیوں کے اس ظالمانہ اقتدار سے سخت ناراض تھی۔ بے چینی وناراضگی کا یہ لاوا اندر ہی اندر پک رہا تھا۔ اس کا اظہار وقتاً فوقتاً محدود بغاوت کی صورت میں اگرچہ پہلے کئی بار ہو چکا تھا مگر ۱۸۵۷ء میں یہ وسیع پیمانے پر پھوٹ نکلا اور دیکھتے ہی دیکھتے عظیم تر قومی جنگِ آزادی میں تبدیل ہو گیا اسکے اسباب ومحرکات کا تجزیہ مختصراً درج ذیل عنوانات کے تحت کیا جا سکتا ہے۔

اسباب ومحرکات

ا۔ سیاسی اسباب:۔ ہندوستان کے داخلی انتشار وافتراق کا سہارا لیکر انگریزوں نے مغل شہنشاہ اور دیسی ریاستوں کو اپنے شکنجے میں جکڑا تھا۔ مغل شہنشاہ کو وظیفہ خوار تو پہلے ہی بنا دیا گیا تھا اب اس کی طرح طرح سے بے عزتی بھی کی جانے لگی تھی تخت نشینی، عیدین اور نو روز کے موقع پر دی جانے والی بادشاہ کی نذر بند کر دی گئی۔ انگریز ریذیڈنٹ ہاروے نے نہایت حقارت سے بادشاہ کو لکھا کہ وہ اسے اپنے خطوط میں "فرزند ارجمند" نہ لکھیں، جبکہ بادشاہ کی طرف سے بطور خطاب یہ ہمیشہ سے لکھا جاتا تھا۔ گورنر جنرل کی مہر سے "بادشاہ کا فدوی خاص" کے الفاظ ہٹا دیے گئے۔ والیان ریاست کو حکم دیا تھا کہ وہ شاہ دہلی کے لیے عزت واحترام کے الفاظ نہ لکھیں حالانکہ مغل شہنشاہ صدیوں کی روایات کی بنا پر تمام ہندوستان میں سب سے زیادہ قابل احترام سمجھے جاتے تھے اور دیسی ریاستیں علامتی طور پر انھیں اپنا سربراہ مانتی تھیں مگر انگریزوں کے ہاتھ میں جیسے ہی طاقت واقتدار آیا ویسے ہی انہوں نے مغل شہنشاہ کی تحقیر و تذلیل شروع کر دی اور ہر طرح اس کی عزت واحترام کے مٹانے کے درپے ہو گئے۔ ولی عہدی میں بھی رخنے ڈالے جانے لگے۔ اور صرف انگریزوں کی پسندیدہ شخصیت کو ہی ولی عہد بنانے کی اجازت دی جانے لگی۔ بہادر شاہ کے ایک بیٹے مرزا فخر کو اس شرط پر ولی عہد تسلیم کر لیا گیا تھا کہ وہ بہادر شاہ کے بعد بادشاہ کی جگہ صرف شہزادہ کہلائے گا۔ ایک لاکھ کے بجائے صرف پندرہ ہزار روپیہ پنشن

لے گا اور لال قلعہ کے بجائے مہرولی میں رہے گا۔ ان حالات سے دل برداشتہ ہو کر ہی ظفرؔ نے کہا تھا [۵]

ہے ظفر بس تجھ ہی تک یہ انتظام سلطنت

بعد تیرے نے ولی عہدی نہ نام سلطنت

تمام ہندوستان اور خصوصاً دھلی کے لوگ بادشاہ کی اس بے عزتی سے سخت بے چین و بے زار تھے۔

دیسی ریاستوں کی ضبطی نے بھی وہاں کے عوام کو سخت غم و غصّہ کا شکار بنا دیا تھا اور اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ عموماً عوام دیسی ریاستوں کے تحت خوش حالی و فارغ البالی کی زندگی بسر کر رہے تھے جبکہ کمپنی کی حکومت اپنی ہوس دولت کی وجہ سے عوام کو چند دن میں ہی کنگال بنا ڈالتی تھی۔ اودھ کی ضبطی کو سب سے زیادہ شدت سے محسوس کیا گیا۔ بقول سرسید:

اُودھ کی ضبطی سے سب لوگ ناراض ہوئے اور سب نے یقین کیا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے خلاف عہد و اقرار کے کیا ہے۔ عموماً رعایا کو ضبطی اودھ سے اسی قدر ناراضی ہوئی تھی جتنی کہ ہمیشہ ہوا کرتی تھی جب کمپنی کسی ملک کو فتح کرتی" [۶]

غرض یہ کہ نواب ہوں یا راجا سب ہی کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ اب ان کی برائے نام ریاستیں بھی زیادہ دن تک باقی نہ رہیں گی اس لیئے ان میں بڑی بے چینی پائی جاتی تھی۔

۲۔ مذہبی اسباب: ۱۸۵۷ء میں دبی ہوئی چنگاریوں کو شعلہ فشاں بنانے میں مذہبی اسباب کا سب سے زیادہ دخل تھا۔ انگریز فاتح و کشور کشا ہی نہ تھے بلکہ عیسائیت کے زبردست اور پر جوش مبلغ بھی تھے۔ عیسائیت کی تبلیغ زور شور سے جاری تھی۔ پادری اسلام اور ہندو مذہب پر کھلے عام حملے کرتے تھے۔ اور ان کی مقدس ہستیوں کا مذاق اڑاتے تھے ان کے خلاف کتابیں چھاپتے تھے اور مناظرے کرتے تھے سرکاری اسکولوں میں عیسائیت کی تعلیم لازمی تھی۔ قدرتی آفات کے شکار لاوارث بچوں کو کھلے عام عیسائی بنا لیا جاتا تھا۔ ایسے قوانین بنائے گئے تھے جن سے عیسائی ہو جانے والوں کو طرح طرح کے فوائد حاصل ہوتے تھے غیر عیسائیوں کی طرح طرح سے دلآزاری کی جاتی تھی اور ان کے ساتھ توہین آمیز طریقہ اختیار کیا جاتا تھا عوام کو یقین ہو گیا تھا کہ حکومت سب کو عیسائی بنا کر چھوڑیگی۔

پادری ای ایڈمنڈ نے کلکتہ سے تمام سرکاری ملازمین کو خطوط لکھے اور انہیں اس طرح عیسائی ہو جانے کی ترغیب دی کہ اب تمام ملک میں ایک عمل داری ہو گئی ہے۔ تار برقی کے ذریعہ سب جگہ کی خبریں ایک ہو گئی ہیں۔ ریلوے کے ذریعہ سب جگہ کی آمد و رفت ایک ہو گئی ہے مذہب بھی ایک ہونا چاہیے۔ لہٰذا تم سب عیسائی ہو جاؤ بقول سر سید ان خطوں کے آنے سے:

"خوف کے مارے سب کی آنکھوں میں اندھیرا آ گیا۔ پاؤں تلے کی مٹی نکل گئی سب کو یقین ہو گیا کہ ہندوستانی جس وقت کے منتظر تھے وہ وقت اب آ گیا۔" [۱۰]

مسٹر مینگلس نے دار العوام میں تقریر کرتے ہوئے واضح الفاظ میں کہا تھا:

"خدا نے ہندوستان کی یہ عظیم الشان سلطنت انگلستان کو اسی لیے سونپی ہے تاکہ ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک حضرت عیسیٰ مسیح کی فتح کا علم لہرانے لگے ہم میں سے ہر ایک کو اپنی پوری طاقت اس کام میں لگا دینی چاہیے تاکہ ہندوستان کو عیسائی بنانے کے عظیم الشان کام میں کسی وجہ سے بھی ذرا بھی ڈھیل نہ آنے پائے۔" [۱۱]

ایک اور انگریز ریو کمیڈی کے خیالات یہ تھے:

"جب تک ہندوستان میں ہماری سلطنت باقی ہے ہمیں بھولنا نہ چاہیے کہ ہمارا اصل کام اس ملک میں عیسائیت کا پرچار ہے .... ہمیں اس مقصد کے لیے اپنی تمام کوششیں اور ذرائع وقف کر دینے چاہییں اور اس وقت تک اپنے کام کو پوری طاقت سے مسلسل جاری رکھنا چاہیے جب تک کہ ہندوستان مشرق میں ایک زبردست عیسائی قوم نہ بن جائے۔" [۱۲]

انگریزوں کی نئی تعلیمی اسکیم بھی عیسائیت کی تبلیغ و ترقی کا اہم ذریعہ تھی اس اسکیم کا محرک لارڈ میکالے اپنے ۱۲ر اکتوبر ۱۸۳۶ء کے ایک خط میں لکھتا ہے:

"مجھے یقین ہے کہ اگر ہماری تعلیمی اسکیم کو بروئے کار لایا گیا تو اب سے تیس سال بعد بنگال میں کوئی بت پرست باقی نہ رہیگا۔" [۱۳]

اس اسکیم کے نتائج بھی حسب دلخواہ برآمد ہوئے۔ ولیم ہنٹر نے لکھا ہے:

"ہمارے تعلیمی اداروں سے کوئی شخص ایسا نہیں نکلتا جو اپنے باپ دادا کے مذہب اور عقائد کا مضحکہ نہ اڑائے" ۲۴؎

غرض یہ کہ انگریزوں نے وہ تمام ہتھکنڈے استعمال کیے جن سے ہندوستانیوں کے مذہب پر ڈاکہ ڈالا جا سکے اور انہیں عیسائی بنایا جا سکے مگر ہندوستانی سب کچھ برداشت کر سکتا ہے لیکن اپنے مذہب و عقیدے پر آنچ نہیں آنے دیتا۔ اسی لیے ۱۸۵۷ء کی جنگ کا سب سے بڑا محرک تحفظ مذہب کا جذبہ ہی تھا۔

۳۔ سماجی اسباب: انگریزوں نے ہندوستانیوں کے طرز معاشرت، رسم و رواج اور سماجی قواعد و ضوابط پر بھی طرح طرح سے حملہ کیا مغربی طور طریقوں اور طرز معاشرت اختیار کرنے پر زور دیا جانے لگا۔ انگریزی طریق تعلیم نے ہندوستان کے سماجی حالات بدلنے میں بھی اہم رول ادا کرنا شروع کر دیا۔ اسی لیے ہندوستانی اپنے مذہب اور تہذیب و تمدن اور طرز معاشرت کی طرف سے بڑے فکرمند تھے کیونکہ بہت سے سماجی ضابطے مذہبی بنیادوں پر قائم تھے جبکہ انگریزی قوانین انھیں توڑنے پر آمادہ نظر آتے تھے مثلاً انگریزوں نے ستی کا رواج اور بچپن کی شادی حکماً بند کر دی جیل اور فوج میں سب کو ساتھ، ایک ہاتھ کا پکا ہوا اور یکساں کھانا ملنے لگا۔ محکمہ قضا کو ختم کر کے مسلمانوں کے مقدمات بھی عام قوانین کے تحت فیصل کیے جانے لگے، ان تمام باتوں نے ہندوستانیوں کو یقین دلا دیا کہ ان کا مذہب اور تہذیب و تمدن خطرے میں ہے۔

ہندوستانیوں کے ساتھ انگریز نہایت ہی ذلت آمیز سلوک کرتے تھے، ان کی عزت نفس کو ٹھیس پہنچانے اور انہیں ذلیل و رسوا کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ بغاوت کے اسباب میں سرسید نے بھی اس کو ایک اہم سبب مانا ہے۔ انہیں کے الفاظ میں۔

"بلاشبہ تمام رعایا ہندوستان کی اس بات کی شاکی ہے کہ ہماری گورنمنٹ نے ان کو نہایت بے قدر اور بے وقر کر دیا ہے ہندوستان کے اشراف آدمی کی ایک چھوٹے سے یوروپین کے سامنے ایسی بھی قدر نہیں ہے جیسی کہ ایک چھوٹے یوروپین کی ایک بہت بڑے ڈیوک کے سامنے یوں تصور کیا جاتا

تھا کہ ہندوستان میں کوئی جنٹل مین نہیں ہے۔" ۵لے

انگریز افسران ہندوستانی ملازمین کے ساتھ کیسا توہین آمیز رویہ اختیار کرتے تھے اسے بھی سرسید کی زبانی ہی ملاحظہ فرمائیے:

"کیا ہماری گورنمنٹ کو نہیں معلوم ہے کہ بڑے سے بڑا ذی عزت ہندوستانی حکام سے لرزاں اور بے عزتی کے خوف سے ترساں نہ تھا۔ اور کیا یہ بات چھپی ہوئی ہے کہ ایک اشراف اہل کار صاحب کے سامنے مثل پڑھ رہا ہے اور ہاتھ جوڑ جوڑ کر باتیں کر رہا ہے کہ صاحب کی بدمزاجی اور سخت کلامی بلکہ دشنام دہی سے دل میں روتا جاتا ہے اور کہتا ہے کہ ہائے افسوس روٹی اور کہیں نہیں ملتی، اس نوکری سے تو گھاس کھودنی بہتر ہے۔" ۶لے

۴۔ معاشی اسباب: انگریزوں کی آمد کے وقت ہندوستان اس قدر خوش حال اور دولت مند ملک تھا کہ تمام یورپ میں "سونے کی چڑیا" کے نام سے مشہور تھا مگر انگریزوں نے یہاں آکر اس سنہری چڑیا کے پروں اور گوشت کو نوچ کھسوٹ کر ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا دیا۔

انگریز یہاں تجارت کرنے آئے تھے ان کا مطمح نظر زیادہ سے زیادہ دولت اکٹھی کر کے انگلستان کی غربت و افلاس کو دور کرنا تھا۔ حکومت و اقتدار ہاتھ میں آنے کے بعد تو انہوں نے وہ لوٹ مچائی کہ تمام ہندوستان کو تہی دست و قلاش کر دیا۔ بقول مصحفی ؔ ہندوستان کی دولت و ثروت جو کچھ کہ تھی —— ظالم فرنگیوں نے بتدریج کھینچ لی۔ جنگ پلاسی کے بعد لگان کئی گنا بڑھا دیا گیا جس سے یہاں کی زراعت تباہ ہو گئی۔ کارنوالس کے بندوبست دوامی نے کاشت کار اور زمیندار دونوں کو ہی تباہ کر دیا۔ بقول مسٹر فاکس —— کارنوالس نے ملک میں لیٹروں کا ایک جتھا تیار کیا ہے جو حق داروں کے حق کو لوٹتا ہے۔ ۷لے

جلدی جلدی ہونے والے قحط اور بھکمری نے ہندوستانی زراعت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی اور لاکھوں لوگوں کو لقمۂ اجل بنا دیا۔

اس دور کا ہندوستان صنعت و تجارت میں بھی بہت ترقی یافتہ تھا خصوصاً اس کی کپڑے کی صنعت تو دنیا میں سب سے آگے تھی۔ ڈھاکے کی ململ کا کوئی بدل نہ ہوتا تھا۔

ہندوستانی کپڑے نے انگلستان اور یورپ کے دیگر ممالک میں انتہائی مقبولیت حاصل کرلی تھی مگر انگریزوں کو تو لنکاشایر، یارک شایر، اور مانچسٹر کے بنکروں کے مفادات زیادہ عزیز تھے نتیجتاً ہندوستانی کپڑے کی صنعت بالکل تباہ کر دی گئی یہاں بنکروں پر ہولناک مظالم توڑے گئے۔ اوران کے داہنے ہاتھ کے انگوٹھے کاٹ دیے گئے تاکہ وہ کپڑا نہ بُن سکیں انگلستان میں ہندوستانی کپڑے کی درآمد پر پابندی لگادی گئی اوراس کا استعمال ممنوع قرار پایا۔ انگلستان کی ایک عورت کو محض اس وجہ سے دو ہزار پونڈ جرمانہ ادا کرنا پڑا۔ کیونکہ رومال ہندوستانی کپڑے کا بنا ہوا تھا۔" [۱۸]

ان ظالمانہ طور طریقوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کی صنعت و حرفت بالکل تباہ ہوگئی۔ لاکھوں مزدور بیکار ہو گئے۔ ہندوستانی ریاستوں کی ضبطی سے ان کے درباری امراء و روسا اور فوجی بیکار ہو گئے۔ غرضیکہ ہندوستانی معیشت بالکل تباہ و برباد کر دی گئی۔ لاکھوں لوگ بیروزگاری و بیکاری افلاس اور بھکمری کا شکار ہو کر لقمۂ اجل بن گئے اور باقی قتل و غارت گری اور باغیانہ سرگرمیوں میں مصروف ہونے پر مجبور ہوئے۔

جان لارنس کو اعتراف ہے کہ انگریزوں نے ہندوستان کو بری طرح لوٹ کر تباہ کر دیا ہے اوران کا یہ فعل قابل لعنت ہے وہ دسمبر ۱۸۵۷ء میں انگریزی کمانڈر کو ان الفاظ میں اس کی اطلاع دیتا ہے۔

"مجھے یقین ہے کہ ہم نے جسطرح بلا امتیاز تمام طبقوں کو لوٹا ہے اس کے لیے ہم پر ہمیشہ لعنت بھیجی جائیگی اور یہ فعل حق بجانب ہوگا۔" [۱۹]

(جاری ہے)